

دردناک دے گا اور ان کا روئے زمین پر نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ مددگار۔“

(النوبہ: ۷۳)

اسلام ایک ایسا دین ہے جو امیروں اور غریبوں کے لئے الگ الگ اصول لے کر نہیں آیا۔ اسلام میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین قدرت پر منحصر ہے۔ ایسا ہر گز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بات کا حکم دیا ہوا رہم میں سے کوئی خود ہی اپنے آپ کو اس سے مستحب قرار دے سکے کہ ایم لوگوں کے لئے تو ممکن ہے کہ الگ الگ گھر لے کر ہیں لیکن غریب ہونے کے ناطے ہم پر یہ قانون نافذ نہیں ہو گا۔ جبکہ اگر ہم غور کریں تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ مشترک خاندانی نظام ہی ہے جس میں ایک انسان کا تاثرا ہے اور دس کھانے والے ہوتے ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں میں ہمیں اس طرح کے نظام کا نام و شان نہیں ملتا جبکہ پہمہنڈہ ممالک اسی نظام کے متانج بھگت رہے ہیں۔ جب بھی کوئی مشترک خاندانی نظام پر مشتمل گھر نظر آئے تو غور کریں اس میں کتنے لوگ کام کر رہے ہیں اور کتنے لوگ ایسے ہیں جو کام کر سکتے ہیں لیکن ضرورت محسوس نہیں کرتے (اس پر بحث ایک اور آرٹیکل ”ہماری ترقی میں حائل ہماری عادتیں“ میں کی گئی ہے)۔ ہمارے دین کی بنیاد صحیح اور غلط پر ہے۔ چاہے کوئی دنیاوی دولت سے مالا مال ہو یا پھر مفلس کی آخری حدود کو چھوڑتا ہو جو غلط ہے وہ سب کے لئے غلط ہی رہے گا اور جو صحیح ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لہذا غربت اور مہنگائی کے جواز کو رد کرتے ہوئے ہم اپنی بحث کو آگے بڑھائیں گے۔

اپنی ریسرچ میں ہم نے جتنے بھی لوگوں کو شامل کیا اور بعد ازاں جو بتائی ہمارے سامنے آئے اُس سے ایک بات بالکل واضح ہے، مشترک خاندانی نظام کا ہمارے معاشرے پر جو اثر ہے اُس کی وجہ اسلام سے دوری ہے۔ کوئی بھی نظام اچایاں نہیں ہوتا لیکن اُس نظام کو چلانے والے لوگ اچھے یا بے ہو سکتے ہیں اور ان لوگوں کی کارکردگی دیکھ کر ہی اس نظام کے اچھے یا نہ ہوئے کام ادازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً ہمارے معاشرے کے اُس طبقے کو لے لیں جو علم کی روشنی سے دور جانوروں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک ایک کمرے میں بارہ بارہ لوگ جن میں بچے، بوڑھے، محروم، غیر محروم، عورتیں اور مرد سب شامل ہیں۔ اسکے بعد وہ طبقہ لے لیں جو کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل کر کے دنیاوی طور پر اچھی زندگی گزارنے کے قابل ہیں لیکن دین کا علم صحیح نہیں رکھتے۔ ایک ایسا خاندان جو ہماری ریسرچ میں شامل تھا ایسے تمام خاندانوں کی نمائندگی کر سکتا ہے جو ہمارے ہاں درمیانے درجے کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس خاندان میں

نقٹہ نظر کا مرہون منت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ صرف یہ نظام ہی اسلام کے سارے تقاضے پرے کر سکتا ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ نہ صرف یہ کہ یہ نظام غیر اسلامی ہے بلکہ یہ ہر طرح سے اسلام کے تاثرے ہوئے اصولوں کی فنی بھی کرتا ہے۔ بھی وجہ ہے کہ پیشتر اسلامی ممالک میں جو گروہ اور اس میں رہنے والوں کا شاکل ہے وہ ہمارے ہاں سے قدرے مختلف ہے۔ صدیوں تک ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے تم اسلامی روایات سے اس طرح کٹ گئے ہیں کہ ہمیں یہ خیال ہی نہیں رہا کہ ہمارا کچھ کیا تھا اور اب کیا رہ گیا ہے۔ ہندو اند خرافات (رسومات) نبڑی طرح ہمارے معاشرے پر حادی ہو چکی ہیں اور یہ آج کی بات نہیں بلکہ صیغہ پاک و ہند میں بھی طریقہ کار رائج تھے اور ہم انھیں اٹھا کر اپنے وطن بھی لے آئے۔ ہندوؤں کے کچھ میں جو کچھ موجود ہے مشترک خاندانی نظام اس کی ایک مثال ہے۔ اس نظام کے تحت بڑے بڑے خاندان اکٹھے رہتے ہیں۔ ہندو ازام میں جہاں پر دے اور پر یہ زگاری کا کوئی واضح تصور موجود نہیں ہے اور کچھ عرصے پہلے تک بھائیوں کی مشترک ہیوی بھی جاتی تھی۔ اب تو ہندو ازام میں بھی شور آنے کے ساتھ ساتھ شہروں اور پڑھے لکھے ہندوؤں میں یہ رواج ختم ہو گیا ہے۔ لیکن یہ طریقہ کارا بھی بھی ان کی تہذیب کا حصہ ضرور ہے۔ ہمارے ہاں اب یہ خاندان مختصر ہو رہے ہیں اور ان کی موجودہ صورت حال کچھ اس طرح رہ گئی ہے کہ ساس سرئی بھی، بھوئیں اُن کے بچے، نندیں اور دیور اکٹھے رہتے ہیں۔ نندیں اور دیور شادی شدہ اور بعض صورتوں میں غیر شادی شدہ بھی ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں مشترک خاندانی نظام ہر طبقے میں پایا جاتا ہے۔ وہ کلاس جس کے ذرائع محدود ہیں وہ اس کا اسلام غربت اور مہنگائی کو دینے ہیں۔ لیکن قابلی توجہ بات یہ ہے کہ کیا اس طبقے کی مغلیسی اس طرز زندگی کا جواز ہے یا پھر یہ غلط روایات اور غلط طریقے ہیں جنہوں نے اس طبقے کو سپری کے گھرے میں دھکیل دیا ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے۔ اپنے موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے یہوضاحت ضروری ہے کہ جب انسان اپنی زندگی اللہ کے بنائے ہوئے طریقوں سے مختلف اندماز میں گزارتا ہے تو تباہی ہی اُس کا مقدر ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ:

”یہ سب خداوندی ضابطے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اللہ اسے باخوبی میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہیں بہرہ ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔“ (الناء: ۱۳)

”اور اگر (یہ مخالف لوگ) روگردانی کریں گے تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں سزاۓ

## مشترک کے خاندانی نظام

مشترک کے خاندانی نظام ایسا موضوع ہے جس پر بحث اس لئے ضروری ہے کہ بہت سی دیگر روایات کی طرح یہ طرز حیات بھی ہمارے معاشرے کا اس طرح سے حصہ بن گیا ہے کہ کسی نے یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی کہ کیا یہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ یہ نظام ہمارے کچھ میں کہاں سے آیا ہے؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟ اسلام اس کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اور اس کے فائدے اور نقصانات کیا ہیں؟ کیا ہمیں اس موضوع پر بحث کرنی بھی چاہیے یا پھر جس طرح آج تک ہم بغیر سوچ سمجھے زندگی گزارتے رہے ہیں وہی صحیح ہے؟ جبکہ باشورو لوگوں کا طرز عمل تدرے مختلف ہوتا ہے۔ وہ حقائق کا سامنا کرتے ہیں چاہے کتنے ہی تلنے مراحل سے گزرنا پڑے۔ اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ مشترک خاندانی نظام اچھا ہے یا نہ ا تو یقیناً ایک اچھا طرز زندگی نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ خاندانی روایات کو برقرار رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ بچے بڑے میں کر رہتے ہیں۔ سب ڈکھ میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ مل جل کر رہنے میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات ہم مسلمان ہیں اور ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ الگ الگ گھروں میں رہنا تو انگریزوں کی روایات ہیں۔ ہم کیونکر ان جیسا بننے کی کوشش کریں گے۔ اس نظام کے اچھا ہونے میں تو ہزاروں دلائل دیے جاسکتے ہیں۔ بعض حالات میں تو یہ یقیناً کامیاب طرز زندگی ثابت بھی ہوا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہماری کسوٹی اچھے اور نہ سے پر قائم نہیں ہے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ کیونکہ کئی خاندان اسی نظام کی بھینٹ چڑھتے ہوئے بھی نظر آئے ہیں۔ لہذا کسی بھی نتیجے پر کھینچنے سے پہلے ہمیں غوروں کفر کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے چھان بین کرنی چاہیے۔ بھی طریقہ خدا تعالیٰ اور ہمارے نبی ﷺ کا سکھایا ہوا ہے کہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کیا جائے۔

عام فہم زبان میں مشترک خاندانی نظام سے مراد وہ گھر لیا جاتا ہے جہاں بیٹے بیٹیاں، بھوئیں، نندیں، ساس اور سر اکٹھے رہتے ہیں۔ جبکہ وسیع مضمون میں مشترک خاندانی نظام سے مراد وہ گھر ہوتے ہیں جہاں میاں بیوی اور چھوٹے بچوں کے علاوہ کوئی تیسرا ساتھ رہ رہا ہو۔ بہر حال مشترک خاندانی نظام کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان میں سب سے Critical اور قابلی توجہ وہی صورت ہے جس میں بڑے بڑے خاندان اکٹھے رہتے ہیں اور ہم اُسی پر پہلے بحث کریں گے۔ اپنی ریسرچ کے دوران جو بتائی ہمارے سامنے آئے اُس کے مطابق اس نظام کی بنیاد ایک غلط فہمی پر رکھی گئی ہے کہ یہ طرز حیات صرف اسلامی

اخہار کر رہا ہے لیکن ماں کا احترام پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور میری بیوی اس گھر میں اس طرح رہے گی جس طرح سب لوگ مل جل کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ بہو بھی اس میں شامل ہوتی ہے۔ اگر بھوکسی کام سے روکا جائے تو وہ اسے اپنا گھر کیسے بنائے گی؟ ایسے لوگوں کی گھٹیا سوچ نے جو کہ اسلام کو فائدہ کی چیز بنانا چاہتے ہیں ہر بات کا غلط مفہوم نکال کر انہی جھوٹی آنکوں سے کمیں دینے کی کوشش کی ہے۔ افسوس ہے ایسے انسان کی سوچ پر جو یہ سمجھے کے جنت میں عروتوں کی سردار بھی پاک ﷺ کی لاڈی بیٹی حضرت فاطمہؓ، جن کے بارے آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”فاطمہؓ میرا ایک گلزار ہے۔“ (بخاری)

اُن کی شادی ان کی قابلیت کی بجائے اس وجہ سے کی گئی ہو کہ اُن سے گھر کا کام کروایا جائے گا؟ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ شادی کے وقت چونکہ حضرت علیؑ کا تاحکمہ بہت تجھ تھا لہذا ایک صحابی حضرت حارث بن نعمن انصاریؓ نے اپنا گھر پیش کیا کہ یعنی اُن اور فاطمہؓ کے لئے ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ اس واقعہ کا پہلا حصہ تو سب کو یاد ہے۔ لیکن دوسرے حصے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شادی کے وقت لڑکے کے پاس رہائش ہوئی ضروری ہے۔ جہاں وہ اپنی بیوی کو لائے وہ سرے سے بھلاہی دیا گیا ہے۔ روثی، کپڑا اور مکان تو وہ بنیادی حقوق ہیں جن پر کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک کوئی مرد بیوی کو یہ تمیں چیزیں ہمیانہ کر سکے اسے شادی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”اور چاہیے کہ بچے رہیں (پاکداں رہیں) وہ جو کہ نکاح (مقدور) نہیں پاتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔“ (النور : ۳۳)

ہمارے ہاں کم علمی کی وجہ سے نہ مرداور نہ بیوی عورتیں اپنے حقوق و فرائض سے آگاہ ہیں۔ یہی نا علمی آگے چل کر مصیبتوں کے پھاڑکھڑے کر دیتی ہے۔ شادی سب کرنا چاہتے ہیں اگر ہم اپنے بچوں کو یہ بتا دیں کہ شادی سے پہلے ان کو ماں باپ کے سہارے کی بجائے خود مختار ہونا پڑے گا تو وہ یقیناً زیادہ توجہ سے تعلیم حاصل کریں گے اور محنت کر کے کچھ نہ کچھ اپنا بنانا چاہیں گے۔ ہمارے ہاں صورت حال خلاف ہے۔ شادی کرنے کے وقت لڑکے اور لڑکی کی قابلیت کی بجائے اُن کے والدین کی قابلیت پر توجہ مرکوزی جاتی ہے۔ لڑکی کے والدین کسی قابل ہوں گے تو جیزدیں گے اور لڑکے کے والدین کی کامیابی یہ ہوگی کہ اُن کے پاس لڑکی کو رکھنے کی جگہ ہوئی چاہیے۔ یہ کس دُنیا کے اصول ہیں۔ اللہ کی بنائی ہوئی دنیا تو اُسی کے

بنیادی حقوق ہیں۔ جب گھروں کے اندر ہی ان بنیادی ضرورتوں کو مید نظر نہیں رکھا جائے گا تو اُس گھر کے لوگوں میں خوشی اور سکون کہاں سے آئے گا۔ جمارے ہاں Middle Class میں بھی نظر آتا ہے۔ لڑکوں کی شادیاں کی ہی اس لئے جاتی ہیں کہ کوئی گھر چلائے ساس سر کا دھیان رکے۔ اس طبقے میں روایتی شادیاں کی جاتی ہیں کیونکہ کوئی اپنی پسند سے شادی کر کے اتنے بڑے Set-up میں طعنوں کا مرکز نہیں بننا چاہے گا۔ ماں ہی اڑکی پسند کرتی ہے۔ ماں کی پسند سے شادی کرنے والے لڑکے کو بڑی عزت بخشی جاتی ہے۔ لڑکا اس لئے چور ہوتا ہے کہ ماں خوش ہو جائے۔ لڑکا اپنی خوشی کا کچھ نہ کچھ کر ہی لے گا۔ جب ماں اپنی پسند سے بہولائی ہے تو وہ یہ دیکھتی ہے کہ لڑکی گھر کیسے چلائے گی۔ اُس کے پاس لکھتی ہے۔ حکم مانے گی کہ نہیں۔ جس عمارت کی بنیاد میں ہی دراثتیں ہوں وہ ایک کمزور عمارت ہی بنے گی۔ ایک کمزور خاندان تھیں سے جنم لے گا۔ ایک ایسا خاندان جس میں حق تھی کی جگہ شروع ہو چکی ہے۔ ساس بہو کا حق مارے گی پھر بولدے لے گی اور اس طرح یہ سلسلہ نسلوں تک جاری رہے گا۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے گھروں میں لوگوں کو کیا مسائل پیش آ رہے ہیں اور اسلام اس بارے میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔

ہمارے ہاں کا وہ طبقہ جس میں عروتوں کی تعلیم پر بھی تک توجہ نہیں دی گئی وہاں سب سے بڑا مسئلہ گھر کا کام کرنا ہے۔ شادی چونکہ کی ہی اس لئے جاتی ہے کہ گھر کا کام کرنے والی لائی جائے۔ تو اگر وہ کتاب یا رسالہ پڑھنے بیٹھنے تو گھر میں طوفان آ جائے گا۔ جن لوگوں سے ہم نے اس سلسلے میں بحث کی ہے اُن کے مطابق ایسی لڑکی کو بد مانع کہا جاتا ہے۔ یہ کمپیوٹر کا دور ہے۔ اگر مدحuzzat کمپیوٹر پر کام کر سکتے ہیں پسچے گیمز کھیل سکتے ہیں تو ہمہ صرف کمپیوٹر صاف کرنے کے لئے ہی کیوں ہے؟ ایک گھرانے میں اس بات پر بھی جھگڑا ہوتا ہے کہ سر صاحب کو پسند نہیں ہے کہ بہو کمپیوٹر پر کام کرے۔ انکا حکم ہے کہ اسے کہو باور پرچی خانے میں جائے اور دیکھ کے آج پکنا کیا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ گھر کا کام کرنا یہوی پر لازم نہیں ہے۔ یہ اسکے خاوند کا کام ہے کہ اُسے ہر طرح کا آرام مہیا کرے۔ اس سلسلے میں جو واحد قول نہیں ملتا ہے وہ حضرت علیؑ کا ہے۔ جب انھوں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میں فاطمہؓ کو نکاح کر کے گھر لارہا ہوں تاکہ وہ گھر کے کاموں میں آپ کا تاحکمہ بٹائے۔ اسکے علاوہ کوئی حدیث یا قرآنی آیت اس بات کی تصدیق نہیں کرتی کہ عورت سے شادی صرف گھر کا کام کروانے کے لئے کی جاتی ہے۔ حضرت علیؑ کے اس قول کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک فرمابر دار بیٹا اپنی ماں سے اپنی خواہش کے

ذلیں بہن بھائی، ماں باپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ باپ نے محنت کر کے لڑکوں کو اچھی تعلیم دلوائی کوئی A کر کے کاروبار کر رہا ہے۔ کوئی B کر کے دوکان چلا رہا ہے۔ دو بھائی حافظ قرآن بھی ہیں۔ گھر میں قاری صاحب روز آتے ہیں تاکہ بچوں کو قرآن کی تعلیم ملی رہے۔ ذلیں بہن بھائیوں میں سے آٹھ بڑے ہیں۔ چھ کی شادی ہو چکی ہے ایک بہن کی بھی شادی ہو چکی ہے۔ دو بھائی اور ایک بہن ابھی چھوٹے ہیں۔ سب لڑکے اچھا کاروبار کر رہے ہیں۔ اگرچا ہیں الگ الگ گھر لے سکتے ہیں لیکن ماں باپ کے ڈر خاندان بسائے گئے ہیں۔ پچ بہوں میں کوچلیس لوگوں کا تین وقت کا کھانا بنا باتی ہیں۔ کپڑے دھلتے ہیں اس تری ہوتے ہیں۔ صفائی بھی روزانہ کی جاتی ہے اور یہ سب کچھ سماں کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ اتنے بڑے Set-up میں کسی بیٹے یا بہو کی مجال نہیں ہے کہ ”چوں، بھی کر جائے۔“ نہیں تو باتی سب اُس کے خلاف ہو جائیں گے۔ دوسری طرف ہمارے معاشرے کے اوپنے طبقے میں خاندان اکٹھے ہو کر بڑے بڑے گھروں میں رہتے ہیں۔ اس کلاس کے اپنے ہی مسائل ہیں۔ ظاہری طور پر یہ پڑھے لکھ لوگ ہیں۔ بڑی وضع دار اور مہذب زندگی گزارنے نظر آتے ہیں۔ لیکن اُن میں سے اکثر تہذیب سے کوئوں دور ہیں اور بہت بادوئی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس طبقے میں بھی مشترکہ خاندانی نظام نے کافی تباہی چا رکھی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ جب بہت سے لوگ مل کر رہتے ہیں تو مشکلات کا آغاز سب کی سوچ مختلف ہونے سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مختلف بنایا ہے۔ ہر انسان کو نہ صرف مقصد دے کر بلکہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ذراائع اور تاثراتیں دے کر بھیجا ہے۔ یہاں ممکن ہے کہ ایک گھر میں رہنے کی وجہ سے سب کا مقصد حیات بھی ایک ہی ہو اور اُس تک پہنچنے کے ذراائع بھی یکساں ہوں۔ سوچ بھی اُنہی تو انکوں اور ذراائع کا ایک حصہ ہے۔ لہذا سوچ کے مختلف ہونے پر کسی کوئی رہوا کا جا سکتا ہے نہ لزم تکہرایا جا سکتا ہے۔ یہ نظام قدرت کا حصہ ہے اور انسان قدرت کے سامنے بے بُس ہے۔ جس خاندان کو مثال کے طور پر لیا گیا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس ایک گھر میں رہنے والے چالیس لوگ ایک سوچ رکھتے ہوں گے؟ نہ صرف یہ بلکہ کیا وہ ایک سا کھانا کھانا چاہتے ہوں گے؟ یا اس گھر میں سب ایک ہی اخبار یا رسالہ پڑھتے ہوں گے؟ سب اپنے بچوں کے لئے ایک ہی چیز چاہتے ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ انسانی نفیات اس کی تردید کرتی ہے۔ اپنی مرضی سے کھانا پینا، اپنی پسند کا لباس پہنانا، اپنی مرضی سے اٹھنا بیٹھنا تو انسان کے

ہے اُس کو لائچ پیدا ہو جائے اور دستور کے مطابق بات کر لیا کرو۔” (الاحزاب: ۳۲)

یہاں غالباً اس لئے نبی پاک ﷺ کی بیویوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ عورتیں بنیادی طور پر زم طبیعت کی ماں کھوتی ہیں۔ جس کے باعث لوگ ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ لہذا عورتوں کو ان کی اس کمزوری سے آگاہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ انھیں کس طرح سے بات کرنی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مرد حضرات پر کسی طرح پرده لا گنجوں ہو گا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد کہ پردوں کا اصل مقصد اور مفہوم پر ہیزگاری اور پاکیزگی ہے جو کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ ہم مشترک خاندانی نظام میں رہتے ہوئے کس طرح اسلامی طرزِ حیات اپنائتے ہیں۔ اس طرح کے نظام میں ایک ہی گھر کے اندر ساس، سردار، جنرل سب رہتے ہیں۔ جبکہ ہم پہلے ہی دیکھے ہیں کہ دیور اور جھنڈنا حرم رشتتوں میں آتے ہیں۔ جس گھر میں بہت سے بہن بھائی رہتے ہیں وہاں بڑے بہن بھائیوں کے بچے عموماً ان کے چھوٹے بہن بھائیوں کے ہم عمر ہوتے ہیں۔ ایک لڑکے کا پورا خاندان اُس کے لئے تحرم ہے لیکن اُس کی بیوی کے لئے تو صورت حال مختلف ہے۔ اب اگر وہ سارا وقت پردوں میں رہے تو سرال ناراض ہو جائے گا۔ کبھی کھلتی لمبی نہیں ہے اپنے آپ کو ناجانے کیا سمجھتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ بیان جو گھر سے باہر کے لئے ہے اگر کسی کو وہی بیان گھر کے اندر بھی پہنچتا پڑے تو زندگی مشکل ہو جائے گی۔ شاندیہی وجہ ہے کہ پردوں کا رواج ختم ہو گیا ہے۔ لوگ اس کو ناقابل عمل قرار دیتے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اپنے گھر میں وہ کرہی پردوں کو ناپڑے تو عملی طور پر یہ ایک ناممکن صورت حال بن جائے گی۔ لہذا کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی بیوی کو ایسے ہمیں رہنے پر بجور کرے جہاں غیر محروم رہتے ہوں چاہے وہ اس شخص کے بھائی، بھتیجی ہوں۔ لیکن اُس کی بیوی کے لئے وہ حرم ہی ہیں۔ صرف ظاہری پردوہ کرنے پر بات ختم نہیں ہوتی۔ ہم پہلے ہی دیکھے ہیں کہ پردوہ صرف چادر لینے کا نہیں بلکہ پاکیزگی سے زندگی گزارنے کا نام ہے۔ کردار کا پاکیزگی ایک ایسی چیز ہے جس کی ذمہ داری ہر شخص اپنے لئے تو اٹھا سکتا ہے لیکن اردو گرد کے لوگوں کے لئے نہیں انھیں جاسکتی۔ بھی سب سے بڑی وجہ ہے جس نے مشترک خاندانی نظام کی اسلام میں حوصلہ لشکنی کی ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو مسلمانوں کو آسان طرزِ زندگی مہیا کرتا ہے۔ اور زندگی تب ہی آسان ہو گی جب خاندان چھوٹے چھوٹے Units کی صورت میں رہیں۔ چاہے یہ Units مجرے ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ ہمارے نبی پاک ﷺ کی زندگی کا طریقہ تھا۔ مشترک خاندانی نظام کے حق میں جو لوگ

”بہترین بیان پر ہیزگاری کا بیان ہے۔“

پردوہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے ایک فاسٹے پر رکھنے کا لائنس (license) ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ناجرم قرار دیا ہے۔ اور یہ پر ہیزگاری نہ صرف عورتوں کے لئے بلکہ مردوں کے لئے بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ یہ طریقہ کاربز جس پردوے کی بات کرتا ہے وہ حرم اور ناجرم کی تفریق سکھاتا ہے۔

”... بجز اپنے شوہروں یا اپنے باپوں یا اپنے شوہروں کے باپوں یا اپنے بیٹوں یا شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی (جائے والی) عورتوں یا کنیزوں یا ان خدمتگاروں جو خواہش نہیں رکھتے یا وہاڑ کے جو عورتوں کی پردوہ کی باتوں سے واقع نہیں ہوتے...“ (النور: ۳۱)

سب سے پہلی بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ یہ حدود صرف عورتوں کے لئے نہیں ہے بلکہ مردوں کے لئے بھی ہے۔ اگر اس میں عورتوں کا ملخصہ ذکر کیا گیا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عورتوں کو ان سائل سے زیادہ دوچار ہونا پڑتا ہے یا پھر یہ کہ لیں کوئی مصالحتی نہیں کہ عورتوں کی حفاظت کرنا اسلام کا بنیادی نقطہ نظر رہا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ بنیادی رہنمائی کر کے حضرت انسان سے یہ توقع کرتا ہے کہ کچھنکہ عقل بھی استعمال میں لائی جائے گی اور اس طرح انسان اپنے مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جہاں کسی پردوے کا ذکر چھڑتا ہے تو خواتین نشانہ بنائی جاتی ہیں۔ حالانکہ جو حکمات قرآن حکم میں آئے ہیں وہ مرد اور عورت کے لئے ایک بھی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً نگاہیں بچی رکھنے کا ذکر ہے تو آدمیوں کو بھی بھی حکم ملائش مرما گاہوں کی حفاظت ہے تو وہ بھی دونوں کے لئے برابر ہے، جو فرق نظر آتا ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ آدمی اور عورت کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی اور روحی طور پر ایک دوسرے سے بہت مختلف بنایا ہے۔ مثلاً عورت کو جاہل کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اُس کے لئے ضروری ہے۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے پرکشش بنایا ہے اور پھر اُس کی اس خصوصیت کو مزید باوقار بنانے کے لئے جاہل کا طریقہ کار و ضع کیا۔

”اور تم (عورتیں) اپنے گھروں میں باوقار طریقہ سے رہا کر اور پر اనے جاہلی طریقہ پر اپنے آپ کو کھاتی نہ پھرا کرو۔“ (الاحزاب: ۳۳)

اور اسی طرح آوازنختر کھنے کے بارے میں جو حکم ہے۔

”سوتم بات کرنے میں نرم انداز اختیار نہ کیا کرو۔ مبادا وہ شخص جس کے دل میں روگ

بنائے ہوئے اصولوں پر قائم ہے۔ ہمارے اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر زندگی گزارنے کا نتیجہ ہکاچپا نہیں ہے۔

آئیے اب اس طبقے کی طرف نظر ڈالیں جو بظاہر خوشحال اور پڑھا لکھا کہلاتا ہے۔ اکثر لوگ بڑے خوش ہو کر ایسے گھروں میں اپنی بیٹیاں دے دیتے ہیں جن کے پاس بڑے بڑے گھر ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو شادی کے موقع پر خاندان میں اُن کی ناک اوچی رہتی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی صافت مل جاتی ہے کہ اس گھر کے کسی ایک کمرے میں ہماری بیٹی کو بھی جگہل جائے گی۔ اُس ایک کمرے کی قیمت اُن کی بیٹی کیا جکائے گی۔ اُس کا صرف باہر کی دُنیا کو پہنچ چلانا چاہیے، بُن اتنا ہی کافی ہے۔ ان گھروں کے مسائل کچھ اس طرح کے ہیں کہ ایک خاتون اس بات سے پریشان تھیں کہ اُن کے خاوند کے دو اور بھائی ہیں جن میں سے ایک قرض لے لے کر فیکریاں چلانے کی کوشش کر رہا ہے دوسرا مولیٰ ہے اس نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے کہ شریفانہ کام نہیں ملتا اور میرا خاوند درمیان میں پس گیا ہے اور ہماری زندگی تباہ ہو کرہ گئی ہے۔ اسی طرح ایک خاتون اپنے خاوند کے ہاتھوں بہت پریشان تھیں اور ساتھ ہی میں اپنے دیور کے لئے رشتہ بھی ڈھونڈ رہی تھیں۔ ہم نے اُن سے پوچھا کہ آپ کا دیور کس قسم کی شخصیت کا مالک ہے تو بولیں دیسائی ہے جیسے پاکستان کے مرد ہوتے ہیں، کئے اور ڈھیٹ۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں میرے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ کسی اور کے ساتھ ہوتا کیسا لگے گا۔ اس طرح کا مشترک خاندانی نظام ہے میں ان مسائل کے علاوہ اور دیگری کیا سکتا ہے۔ یہ مسائل یہاں ختم نہیں ہوتے بلکہ بڑے بڑے مسائل کو جنم دیتے ہیں گھٹے ہوئے ماحول اور دلوں کے میں نفرتوں کا باعث اور جسمانی اور رہنمی بیماریوں کا پیش خیزہ ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام ایک ایسا نہ ہب ہے جس نے زندگی کے ہر پہلو کو پر کھ کر اس کے لئے اصول وضع کئے ہیں۔ اُن میں سے ایک اہم اصول پردوے کا ہے۔ بڑے دکھ کے ساتھ کہتا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں پردوے کا تصور بہت محدود کر دیا گیا ہے اور یہ تصور بھی اسلام کے نام نہاد ٹھیکے داروں کا وضع کر دہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پردوے سے مراد عورتوں کو کام اور تعلیم سے روکنے کے لئے گھروں میں بند کرنے، اُن کی زبردستی شادیاں کرنے اور انھیں سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپیٹ کر رکھنے کی حد تک محدود ہے۔ اسلام جیسے مہذب دین کا ان دینی اور فرسودہ روایات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پردوہ دراصل پر ہیزگاری کا نام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

وہ (اللہ تعالیٰ) ہر چیز کا جانے والا اور حکمت والا ہے۔ ” (النور : ۵۹)

پہلے والی آیت چھوٹے بچوں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چھوٹے بچے تین خاص اوقات میں تمہارے کمرے میں آنے سے پہلے پوچھ لیا کریں اور پھر بڑی تفصیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان اوقات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس آیت پر غور کریں تو ظاہر ہوتا ہے کہ چھوٹے بچے بھی ماں باپ کے کمرے میں نہیں رہ سکتے ان کے آرام کی جگہ اگر الگ الگ ہو گی تو یہ حکم قابل عمل ہو گا۔ اس آیت پر غور کرنے سے تو بچوں اور ماں باپ کا ایک ہی کمرے میں رہنا ممکن نظر آتا ہے۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ جو میاں بیوی شادی کے چودہ سال بعد بھی ایک ہی کمرے میں گزارا کر رہے ہیں ان کے تو بچے بھی جوان ہو چکے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ یہ سب کچھ صرف اس لئے نہیں ہوا کیونکہ ہم نے قرآن کو نہیں پڑھا بلکہ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنا نقصان ہوتا دیکھ کر قرآن کی اس آیت کو مانے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ اب دوسری آیت پر غور کریں کہ جب لڑکے جوان ہو جائیں تو وہ باقی لوگوں کی طرح اجازت لیں۔ یعنی صرف یہ کافی نہیں ہے کہ وہ کہلی صورت میں بتائے گئے تین اوقات میں اجازت لیں گے بلکہ ان پر **Privacy** کے سارے اصول اسی طرح لاگو ہوں گے جس طرح اور لوگوں پر ہوتے ہیں۔ ہماری یعنی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ ہمیں یہ اصول کسی مغربی معاشرے کے نظر آتے ہیں۔ اسی ریسروچ کے دوران ہماری ملاقات ایک ایسے خاندان سے بھی ہوئی جو ایک AC کی خاطر اپنے اخبارہ اپنی سال کے بیٹے کو بھی اپنے ہی کمرے میں سُلاتے ہیں۔ اور اُس کو محبت اور پچت کا اصول قرار دے کر اسلامی طریقہ کار کے عین مطابق سمجھتے ہیں۔ یاد رہے اسلام کا کوئی اصول قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کے طریقہ کار ہماری قرآن سے دوری کامنہ بولتا ہوتا ہے۔

بچوں کے حقوق کے بارے میں ایک بحث کے دوران مابرہ نسیمات کے مطابق child abuse کے سلسلے میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بچے صرف ماں لوگوں کے ساتھ گھلتے ملتے ہیں۔ اچبی لوگوں کے لئے بچوں کو نقصان پہنچانا تنا آسان نہیں ہوتا جتنا کہ قریب کے لوگوں کے لئے جس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کے ساتھ زیادتی کے زیادہ تر معاملات میں ان کے قریبی رشتہ دار جو کہ ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں شامل ہوتے ہیں۔ ماں باپ ساتھ رہنے والوں پر اعتماد کر کے بچوں کو ان کے پاس چھوڑ دیتے ہیں جو کہ بعض اوقات نقصان دہ ٹابت ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں مثالیں تو ہمارے معاشرے میں بھری پڑی ہیں لیکن ہم صرف اُسی مثال کی بات کریں گے جس کا ٹھوٹ ہوتا ہے۔ ہمارے ادارے

مشترکہ خاندانی نظام بچوں کی تربیت پر کس طرح سے اثر انداز ہوتا ہے۔

اکثر سکولوں میں ماں باپ کو بچوں کی تعلیمی اور ہدیٰ صورت حال، بہتر باتا نے کے لئے باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے اور پھر والدین اساتذہ کے ساتھ مل کر بچوں کی تعلیم اور تربیت پر بحث کرتے ہیں۔ اکثر اس سر کے لئے نہیں۔ خدمت کرنے کے لئے تو بیٹوں کو کہنا چاہیے نہ کہ بہنوں کو۔ جبکہ صورت حال meetings میں جو مسئلہ سب سے زیادہ گھیر نظر آتا ہے وہ بچوں کی عادات کا ہوتا ہے۔ بچے کسی کی بات نہیں سکتے کیونکہ ساس سر ناراض ہو جاتے ہیں۔ ایک وسیع الدماغ ساس نے خود تسلیم بھی کیا اس کے برکس ہے۔ بیٹوں سے کوئی خدمت نہیں کروانا چاہتا کیونکہ شاید انھیں خدمت کرانے کا شوق صرف بہنوں سے ہوتا ہے۔ یہ تو صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ساس سر بہو کو بیٹی کا درجہ دیں اور پھر بھی کسی خدمت کی توقع نہ کریں کیونکہ اپنے بچوں سے تو کوئی بھی زیادتی نہیں کرتا اور نہ ہی توقع کرتا ہے کہ بچے ایک نائگ پر کھڑے رہیں۔ البتہ اگر کوئی ساس سر ایسا روایہ اختیار کر سکیں تو پھر بہو بیٹی بن کر ان کے ساتھ ہی رہنا چاہے گی۔ اس طرح کے بھی چند ایک گھر ہمارے معاشرے میں موجود ہیں جہاں بیٹا اور بہو دونوں پڑھتے ہیں یا نوکری کر رہے ہوتے ہیں اور ساس سر بہوں کی طرح ان کا دھیان رکھتے ہیں۔ لیکن ایسے گھروں کی تعداد زیادہ ہے جہاں ماں باپ خاص طور پر ماں میں بیٹے اور بہو کے درمیان ساری تباخیوں کا باعث ہیں۔ اسی طرح کا ایک خاندان ہماری ریسروچ کے دوران دیکھنے کو ملا کہ باپ ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے۔ تین بیٹے ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا گھر چلاتا ہے۔ دوسرے نمبر پر بیٹا بھی سیٹ نہیں ہوا اس کی شادی کردی گئی ہے۔ مشترکہ خاندانوں میں یہ مفروضہ کہ کسی بے کار آدمی کی شادی کر دو تو وہ خود ہی سیٹ ہو جائے گا، بہت پسند کیا جاتا ہے۔ اگر یہ حرہ کامیاب ہو جائے تو ٹھیک ہے لیکن اگر شادی کرنے کے بعد بھی کسی انسان میں ٹھیک ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو تو اس خاندان کے باقی لوگ اس غلطی کا غمیزہ ہمگنتے کے لئے آپ کو تیار پاتے ہیں۔ جس خاندان کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ کچھ اسی قسم کی صورت حال کا سامنا کر رہا ہے۔ تیسرے نمبر کا بیٹا ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہے اس نے اس کی تمام ضروریات پوری کرنا بڑے بھائی کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ جائے اس کے ماں چھوٹے بیٹوں کو سمجھائے کہ کچھ کام کریں سارا بوجہ بڑے بیٹے کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے اور اگر کچھ وہ الگ ہونے کی بات کرے تو ماں فوراً بیمار ہو جاتی ہے۔ اس نے وہ دو اور بیٹوں کے ہوتے ہوئے بھی یلچہ گھر میں نہیں جا سکتے اور چودہ سالوں سے ایک ہی کمرے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ زندگی تو کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتی ہے لیکن زندگی کا معیار گرتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح کے کتنے ہی گھر ہیں جہاں لوگ انہی دلی عادتوں کے ساتھ سال ہا سال اکٹھے رہتے ہیں۔ ان حالات کا سب سے گہرا اثر بچوں پر پڑتا ہے آئیے دیکھتے ہیں کہ

”اے ایمان والوں تمہارے غلام اور وہ لڑکے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں تین وقت میں تم سے (تخلیہ میں آنے کے لئے) اجازت حاصل کر لیا کریں۔ ایک نماز فجر سے پہلے دوسرے ظہر کے وقت جب تم آرام کے لئے کپڑے اسارتیت ہو اور عشاء کے بعد (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے ہیں۔ ان (اوقات) کے علاوہ نہ تم پر کوئی الزام ہے نہ ان پر (عام اوقات میں) تم آپس میں ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جانے والا ہے۔“ (النور : ۵۸)

” اور جب تمہارے لڑکے بلوغ کو پہنچ تو انہیں بھی اجازت لے لیتا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یوں اپنے احکام تم پر کھول کر بیان کرتا ہے اور

بہت جواز پیش کرتے ہیں اُن میں ماں باپ کے دھیان کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ ماں باپ کو بھی سوچنا چاہیے کہ انہوں نے جن بیٹوں کی شادیاں کر دی ہیں اُن کی اب اور بھی ذمہ داریاں ہیں۔ سب سے اہم بات جو ہمیں یاد رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ فرمانبرداری کا حکم ماں باپ کے لئے ہے ساس سر کے لئے نہیں۔ خدمت کرنے کے لئے تو بیٹوں کو کہنا چاہیے نہ کہ بہنوں کو۔ جبکہ صورت حال ڈانٹ بھی نہیں سکتے کیونکہ ساس سر ناراض ہو جاتے ہیں۔ ایک وسیع الدماغ ساس نے خود تسلیم بھی کیا کہ جب بہو پوچلی پوچیوں کو ڈانٹتی ہے تو بالکل برداشت نہیں ہوتا۔ جب ایک ہی گھر میں بہت سے لوگ طرح طرح کی سوچ کے ساتھ رہتے ہیں تو بچے confuse ہو جاتے ہیں کہ کس کی بات تھی ہے اور کس کی غلط ایسی صورت حال میں بچوں کی صحیح تربیت کرنا ممکن ہے۔ دوسری طرف یہ دیکھیں کہ بڑے بڑے گھروں کو چلانے کے لئے کتنے اخراجات ہوتے ہیں۔ مثلاً بیٹھار ملازم، بھی، فون اور ٹکسیں وغیرہ کے bills پر کوئی کٹشوں نہیں رہتا۔ جب سارا کچھ ان چیزوں میں نکل جاتا ہے تو یقیناً بچوں کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنے کے لئے کم بچ گا۔ ایک اور پہلو جسے جانے بغیر اس موضوع پر کسی گئی بحث ادھوری رہ جائے گی وہ Privacy ہے۔ (آس کی تفصیل ”گھروں کی Privacy“ کے نام سے آرٹیکل میں دے دی گئی ہے۔) یہاں صرف یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام میں Privacy کے وہ اصول اپنائے ہی نہیں جا سکتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں سُکھائے ہیں۔ یہاں پر تم صرف بچوں کی تربیت کے حوالے سے گھروں میں Privacy پر بحث کریں گے۔

”اے ایمان والوں تمہارے غلام اور وہ لڑکے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں تین وقت میں تم سے (تخلیہ میں آنے کے لئے) اجازت حاصل کر لیا کریں۔ ایک نماز فجر سے پہلے دوسرے ظہر کے وقت جب تم آرام کے لئے کپڑے اسارتیت ہو اور عشاء کے بعد (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے ہیں۔ ان (اوقات) کے علاوہ نہ تم پر کوئی الزام ہے نہ ان پر (عام اوقات میں) تم آپس میں ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہی ہو۔ اور جب تمہارے لڑکے بلوغ کو پہنچ تو انہیں بھی اجازت لے لیتا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یوں اپنے احکام تم پر کھول کر بیان کرتا ہے اور

میں ایک خاتون کافی پریشانی کی حالت میں آئیں وہ یہ تھی کہ اس کا خاوند نئے کی حالت میں اپنی بیٹیوں اور برڑے بھائی کی بیٹیوں سب کے ساتھ زیادتی کرتا ہے۔ الہادہ خاتون پچیوں کو لے کر کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاتی ہے کہ کسی کو پہنہ نہ چلے اب اگر وہ زبان کھوئی ہے تو پچیوں کا مستقبل بتاہ ہو جائے گا۔ آخر اس مسئلے کا کیا حل ہے؟ حل تو تھا لیکن وہ ہم نے سیکھا نہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے فرمادیا تھا۔ ہم خود ہی گولے بہرے بنے ہوئے ہیں اور اب اکثر گھروں کے حالات اتنے خراب ہیں کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ آج کی ماڈرن دنیا میں فلیٹ کا تصور جو بظاہر مغرب سے آیا ہے یہ وہی مجرہ ہے جس کا ذکر ہم نے اسلامی تاریخ میں بارہا سنا لیکن ایک کان سے سنا اور دوسرا کان سے نکال دیا۔ ہمارے معاشرے میں لوگ فلیٹس میں رہنا بھی بھی بہت عزت کا مقام نہیں سمجھتے حالانکہ فلیٹ میں رہنے سے ہمارے بہت سے معاشی اور معاشرتی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

جودین ہمیں تہذیب کی اُن اوپری حدود پر لے جانا چاہتا ہے جہاں آپ کے اپنے پچھے بھی آپ سے اجازت لئے بغیر آپ کے گھر یا کمرے میں داخل نہیں ہو سکتے وہاں مشترکہ خاندانی نظام کو کس طرح صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں وہ کم علم اور قرآن سے دور ہیں یا پھر مان لینے کی صورت میں جو نکالیف اٹھانی پڑیں گی اُن سے پچنا چاہتے ہیں۔ چاہے اُن کے پاس اپنے شیلات کے صحیح ہونے کا کوئی جواز موجود نہ ہو۔ وہ چاہیں تو انسان کو جھلا کتے ہیں لیکن قرآن کی کلی گھلی صاف آیات کو جھلا کیسے جھلا کیں گے...!

## خاتی